© rasailojaraid.com

مولانا شمس تبریز خان

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نظریۂ تعلیم

اسلام میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں۔ نہ اس میں ترک دنیا اور رہبانیت کی گنجائش ہے۔ حدیث کے بموجب دنیا، آخرت کی کھیتی اور میدان عمل ہے نیک نیتی واحتساب کے ذریعے دنیا کا ہر عمل آخرت کا عمل بن جاتا ہے اسلام کی جامع ہمہ گیر تعلیمات بھی انسان کی پوری انفرادی واجتماعی زندگی، اقتصادیات وسیاسات، اخلاق وروحانیت اور تمدن وثقافت کا احاطہ کرتی ہیں۔ اور ایک معقول ومدلل نظریۂ حیات کے ساتھ ایک مکمل ومستقل تہذیب اور نظام حیات بھی برپا کرتی ہیں جس کے نتیجے میں صحابۂ کرامؓ کی مختصر مگر منتخب جماعت نے اپنے وقت کی دو بڑی عالمی طاقتوں (روم و ایران) کو فکری وعملی دونوں محاذوں پر شکست فاش دی اور ان کے آمرانہ وجابرانہ نظام سے انسانوں کو آزاد کر دیا اس کے ساتھ ہی دنیا کے ایک بڑے حصے میں اسلام کے عادلانہ نظام کے تحت ایک خدا ترس وباضمیر روشن دماغ اور عالی ظرف، انسان دوست اور انسانیت نواز جمہوری وفلاحی تہذیب ومعاشرت قائم کی۔

اسلام فکر وفلسفہ سے زیادہ ایک صالح تہذیب وثقافت اور صحت مند نظام حکومت اور طرز حیات ہے اس لئے عہد نبویؐ ہی سے مسلمانوں کا نصاب تعلیم اسی کا نظام زندگی بھی رہا ہے۔ اس وجہ سے مسجد نبویؐ تمام علمی وعملی سرگرمیوں کا ایسا مرکز ہے جہاں سیاست وروحانیت مدرسہ وخانقاہ، اخلاقی تربیت اور فوجی تیاری ایک ساتھ نظر آتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراحلِ زندگی میں صفہ کی درس گاہ بھی ہے۔ اور شعب ابی طالب کی اسارت گاہ بھی۔ غارِ حرا کی خلوت بھی اور کوہِ صفا کی جلوت۔ مکے سے ہجرت ودعوت بھی ہے۔ اور جزیرۃ العرب کی خلافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحکومت بھی۔ مسجد نبوی ہی کی خانقاہ وتربیت گاہ بھی ہے اور بدر واحد کی رزمگاہ بھی۔

غرض یہاں فکر ونظر، عقل و وجدان، علم وعمل، اخلاق اور روحانیت اور دین و دنیا کا ایسا معتدل و متوازن خوشگوار اور دلکشا اجتماع نظر آتا ہے جو سیرت نبوی ہی کا حصہ ہے۔

مسلمانوں کے نظام علم وعمل میں جب تک ربط وتوازن باقی رہا اس وقت تک وہ عروج وترقی کی منزلیں طے کرتے رہے اور جب کتاب وسنت کی حیات آفریں تعلیمات سے ان کا رشتہ کمزور ہوگیا۔ توان کا زوال و انحطاط بھی شروع ہوگیا۔

اسباب زوال امت میں سے ایک بڑا سبب دین و دنیا کی تفریق اور ترک دنیا و رہبانیت کے اثرات بھی ہیں جو دنیا بیزار مسیحیت اور ایران وعجم سے ہماری صفوں میں داخل ہوگئی، جس کے نتیجے میں وہ اعتدال و توازن ختم ہوگیا جو ایک صالح وصحت مند اور عالم گیر معاشرے کے لئے ضروری ہے۔ اس عدم توازن کے سبب یورپ کی طرح مسلم معاشرے میں بھی ایک طویل عرصے تک دین وحکومت کی علیحدگی کے خطرناک نتائج سامنے آتے رہے۔ اور اس علیحدگی کے سبب دونوں قوتیں کمزور پڑتی گئیں۔ اور ان مثبت ومنفی لہروں کی جدائی سے اسلام کی برقی رو اور قوت وحرارت ختم ہوتی گئی اور امت علماء، مشائخ اور سلاطین کے تین حصوں اور متعدد فرقوں میں بٹ کر رہ گئی۔

ماضی قریب تک عالم اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں کے نظام تعلیم کی وحدانیت وجامعیت کے سبب (جس میں ایک عالم گیر اور ترقی پذیر معاشرے کی جملہ ضروریات کا لحاظ رکھا جاتا تھا) اسلامی مدارس سے ہمہ گیر صلاحیتوں کے افراد تیار ہو کر نکلتے تھے اور ان کی شخصیت پر اسلامی جامعیت وانفرادیت کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ انہی مدرسوں سے علماء ربانی بھی نکلتے تھے اور رعایا پرور عدل گستر حکام وسلاطین بھی، صوفیہ باصفا بھی اور مختلف شعبوں کے ماہرین بھی، اہل قلم بھی اور صاحب طبل وعلم بھی۔ غرض آدم گری اور مردم سازی کے ان کارخانوں سے ہر شعبہ زندگی کو سنبھالنے والے باصلاحیت افراد معاشرے کو بکثرت فراہم ہوتے تھے۔

مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں غیر مسلموں کو جہاں اپنی تہذیب وتمدن سے متاثر کیا وہیں انھیں اپنے عظیم علمی وثقافتی کارناموں سے مسحور بھی کر دیا۔ وہ تقریباً ایک ہزار سال تک ایک عالمگیر علمی تحریک کے قائد وعلمبردار رہے۔ اور انسانی علوم وفنون کی ہر شاخ میں انھوں نے اپنی عبقریت وذہانت کے نئے نئے غنچہ وگل کھلائے۔ انہوں نے یونان و ایشیاء کے ثقافتی سرمائے کو عربی اور اسلامی زبانوں میں منتقل کیا اور اس پر مفید وگراں قدر اضافوں کے بعد اسے عرب و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افریقہ، سسلی اور اسپین کی جامعات کے ذریعہ یورپ تک پہنچا دیا۔

یورپی نشاۃ ثانیہ کی اہم شخصیت راجر بیکن (م ۱۲۹۴ء) جس نے سائنس کو تجربی طریقہ دیا وہ جامعہ قرطبہ کا طالبعلم تھا مگر افسوس کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی اور رُوحِ جہاد و اجتہاد کے فقدان کے سبب ان کے ہاتھوں سے سیاسی قیادت کے ساتھ علمی و ثقافتی امامت و سیاست بھی نکل گئی اور یورپ نے ان علوم کو مادی دنیا دی اور سائنس کو غیر انسانی اور غیر اخلاقی رنگ دے دیا ہے اور مسلمانوں سے حاصل کئے ہوئے علوم و فنون کو خود ان کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ صلیبی جنگوں، ترکوں کی فتوحات، قومی اور مذہبی اختلافات اور اپنے توسیع پسندانہ رجحانات کے سبب مغربی طاقتوں نے مسلمانوں کو سسلی اور اسپین سے بے دخل کرنے کے بعد تقریباً سارے عالم کو اپنے ہمہ گیر استحصال کا نشانہ بنانا شروع کیا، جس کی بدترین مثال ۱۸۵۷ء میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے خلاف ان کا جوشِ انتقام تھا۔ جس کے سبب برصغیر کے مسلمان ایک طویل عرصہ تک کے لئے اپنا سیاسی و ثقافتی وجود کھو بیٹھے۔ ان کا دینی و ملی مستقبل خطرے میں پڑ گیا اور ان میں عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ اس بربریت و بہیمیت کی غم انگیز داستان غالب کے خطوط، شعراء کے شہر آشوب اور پاک و ہند کی تاریخوں میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اس لمیے کا سب سے دردناک پہلو یہ تھا کہ فاتح برطانوی حکومت کے جذبۂ انتقام کا رُخ زیادہ تر مسلمانوں کی طرف تھا۔ اور وہ انہیں مذہب و ثقافت سے الگ کر کے اپنے رنگ میں جذب کر لینا چاہتی تھی۔

اس مقصد کے حصول کے لئے ایک طرف سیکڑوں مدارس بند کئے گئے اور ان کی جگہ مشن اسکول کھولے گئے اور پورے برصغیر میں سرکاری سرپرستی میں جارحانہ طور پر عیسائیت کی تبلیغ ہونے لگی۔

اس شکست خوردگی کے ماحول میں جب اس ملک میں اسلام اور مسلمان اپنے زوال و انحطاط کے آخری نقطے پر پہنچ گئے اور دور دور تک ان کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے چند نفوس قدسیہ کو بروقت خبردار کیا اور وہ شاملی کے میدان جہاد سے چل کر دیوبند کے میدان جہاد سے آ گئے اور اپنی ایمانی فراست و بصیرت سے ”دارالعلوم دیوبند“ کی صورت میں ایک ایسے اسلامی مرکز کی تعمیر میں لگ گئے جس کے پروگرام میں اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بقا و ترقی کی پوری ضمانت موجود تھی۔

دارالعلوم دیوبند اسلامیت کا ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ، مسلمانوں کا سرچشمہ طاقت اور وہ مرکز توانائی بن کر ابھر رہا تھا۔ اس کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کی تقدیر، ان کی نئی شیرازہ بندی اور نشاۃ ثانیہ وابستہ تھی۔ اس کے مخلص بانیوں کے افکار و اعمال، ان کے بلند عزائم، اور ہمہ گیر دینی و سیاسی و ثقافتی و معاشرتی مقاصد کو سامنے رکھیں تو یہ تاریخی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ دیوبند میں قائم ہونے والا یہ مدرسہ عربی دراصل احیاء دین وملت کی ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک تھی جس کا رشتہ حضرت سید احمد شہیدؒ و حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریک سے جا ملتا ہے۔

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) نے مکہ معظمہ میں قیام دارالعلوم کی خبر مسرت اثر سن کر فرمایا:

"خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ اے خداوند ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے"۔

(۲) خود حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ علیہ (م ۱۲۹۷ھ) نے اصول ہشت گانہ کے ساتھ یہ تاکید بھی کی کہ:

"اس دارالعلوم کا تعلق عام مسلمانوں سے زائد سے زائد ہو تاکہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کرے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے پر معین ہو۔"

(۳) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۹ھ) دارالعلوم کے جامع اور ہمہ گیر نصب العین کے بارے میں فرماتے ہیں:

"حضرت الاستاذ (حضرت نانوتویؒ) نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے جہاد کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر مسلمانوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے"۔

(۴) حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

"وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارے میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا جو اس پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعے مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے۔ اور تعلیم و تربیت کے راستے سے ان کے دل و دماغ کی تعمیر کر کے ان کی بقا کا سامان کیا جائے جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں اور ان ہی کے مطابق مسلمانوں کی دینی معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی رہنمائی ہو اور دوسری طرف خارجی مدافعت۔ نیز مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایماندارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو"۔

جہاں تک مسلمانوں کے لئے علوم دینیہ اور علوم اسلامیہ عصریہ کے جامع وحدانی نظام تعلیم کا سوال ہے وہ اب ان کے لئے ایک چیلنج بن گیا ہے۔

دینی و دنیوی نظام تعلیم کی علیحدگی سے سارا عالم اسلام علماء اور تعلیم یافتہ طبقوں کے درمیان بٹ گیا ہے اور قدیم و جدید مشرقیت و مغربیت کی کش مکش نے مسلمانوں کو بری طرح متاثر اور ان کے سیاسی و ثقافتی زوال و انحطاط کی راہ ہموار کی۔ انہیں بڑی طاقتوں کا دست نگر بنایا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی نشاۃ ثانیہ اور صالح انقلاب کے لئے دشواریاں پیدا کردی ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مسلم ماہرین تعلیم اور مفکرین اسلامی نظام تعلیم کی وحدت و جامعیت کو بحال کرنے کی طرف فوری توجہ فرمائیں اور ایک خود کفیل وہمہ گیر اسلامی نصاب تیار کریں جو طلبہ میں صحیح اسلامی شعور، ذوق عمل، اور اسلام کو ہر محاذ پر سربلند کرنے کا ناقابل تسخیر عزم و جذبہ پیدا کرے۔

دارالعلوم کے قیام تک حضرت نانوتویؒ کے ذہن میں یہ مسئلہ بہت صاف تھا اور وہ دینی علوم کا علوم جدیدہ سے ربط چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دارالعلوم کا چھ سالہ مختصر نصاب بنایا تھا اور اس میں فلسفہ کی صرف ایک کتاب رکھی تھی۔ وہ دینیات سے فراغت کے بعد علوم جدید کی تحصیل کے قائل تھے چنانچہ حضرت نانوتوی نے فرمایا تھا؛

"درباب تحصیل یہ طریقہ خاص کیوں تجویز کیا گیا اور علوم جدیدہ کو کیوں شامل نہ کیا گیا؟ منجملہ دیگر اسباب، بڑا سبب اس بات کا تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو یا خاص اس پہلو کا لحاظ چاہیے جس طرف سے ان کے کمال میں رخنہ پڑا ہو، سواہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم علوم جدیدہ بوجہ کثرت مدارس سرکاری اس ترقی پر ہے کہ علوم قدیمہ کو سلاطین زمانہ سابق میں بھی یہ ترقی نہ ہوئی ہوگی۔ ہاں علوم نقلیہ کا یہ تنزل ہے کہ ایسا تنزل کبھی کسی کا زمانہ میں نہ ہوا ہوگا۔ ایسے وقت میں رعایا کو مدارس علوم جدیدہ کا بنانا تحصیل حاصل نظر آتا ہے اور صرف بجانب علوم نقلی اور نیز ان کی طرف جن سے استعداد علوم مروجہ اور استعداد علوم مروجہ اور استعداد علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے، ضروری سمجھا گیا۔۔۔۔ دوسرے یہ کہ زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان استعداد ثابت ہوتی ہے اس کے (یعنی دارالعلوم سے فراغت کے بعد) طلبائے مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جاکر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ موئید ہوگی"۔

© rasailojaraid.com